کلکتہ مقدمہ:

قرآن مجید کے خلاف ایک ناکام سازش

شریف الحسن

دشمنانِ اسلام کی جانب سے دنیا کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید کے خلاف جو ناپاک و ناکام سازشیں ہوتی رہتی ہیں اسی کا ایک مظاہرہ ۲۹ مارچ ۱۹۸۵ء کو بھی ہوا جب چاندمل چوپڑا نے کلکتہ ہائی کورٹ کی جج شریمتی پدما خاستگیر کی عدالت میں یہ درخواست دی کہ حکومتِ مغربی بنگال کو قرآن مجید کے تمام نسخے ضبط کرنے کی ہدایت کی جائے۔ اس میں اصل عربی متن اور اس کے جملہ تراجم شامل ہیں۔ موصوفہ نے درخواست کو عدالتی چارہ جوئی کے لیے داخل کرنے کے احکامات صادر کردئے نیز نوٹس اور حلف نامے وغیرہ بھی داخل کرنے کے لئے ہدایات جاری کردیں[۱]۔ بعدازاں موصوفہ نے کوئی وجہ بتائے بغیر اس مقدمہ کی سماعت سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ یہ امر اس لئے بھی تعجب خیز ہے کہ انھوں نے اس دوران پریس کو ایک انٹرویو بھی دیا تھا۔ کسی مقدمہ کی سماعت کے دوران جج کا پریس کے سامنے جانا یقیناً ایک غیر معمولی اقدام تھا اور ہندوستان کی عدلیہ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بہرحال موصوفہ کی اس مقدمہ کی سماعت سے کنارہ کشی کے بعد کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب ستیش چندرا نے اس مقدمہ کو جناب بمل چندر اباسک کے سپرد کردیا۔ جج موصوف نے اس مقدمہ کی سماعت کی اور اپنا فیصلہ سنایا جو اب ایک تاریخی نوعیت کی دستاویز بن چکا ہے۔

درخواست دہندہ چاندمل چوپڑہ نے اپنے مقدمہ کی پیروی خود کی تھی۔ حکومت مغربی بنگال کی نمائندگی ایڈوکیٹ جنرل SNEHANGSHU ACHARYA نے کی اور اٹارنی جنرل K. PARASARAN نے حکومت ہند کی طرف سے معروضات پیش کیں۔

مدعی نے اپنے عرضی دعوی میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ سے کچھ اقتباسات پیش کئے تھے اور ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے تھے :

مدعی کا دعوی تھا کہ یہ قرآنی بیانات انگریزی ترجمہ میں اتنے جارحانہ اور قابل اعتراض نظر نہیں آتے جتنے کہ وہ واقعی اپنے اصل عربی متن یا اُن کے اُردو ترجمہ میں ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ قرآن کی بے مثال صوتی ہم آہنگی اور نغمگی مسلمانوں کے دلوں میں صرف وجد و گداز ہی کی کیفیت پیدا نہیں کرتی بلکہ ان کے اندر بدترین قسم کے فرقہ وارانہ جذبات اور مذہبی تعصب کو ہوا دیتی ہے جو قتل، غارت گری، آتش زنی، آبرو ریزی اور مذہبی عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور ان کی بربادی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، یہ صورت حال کچھ ماضی سے مخصوص نہیں بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی ہندوستان اور بیرون ہند ہر جگہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

سماعت کے دوران بھی مدعی نے اپنی انہیں باتوں کو دہرایا جن کا ذکر وہ اپنے عرضی دعوی میں کر چکا تھا۔ اس نے مزید کہا کہ یہ معاملہ تعزیرات ہند کی دفعات 153A[۲] اور 295A[۳] کے دائرہ کار میں آتا ہے اس لئے حکومت مغربی بنگال کو ہدایت کی جائے کہ وہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 95[۴] کے تحت اقدام کرے۔ اس کا کہنا تھا کہ قرآن بتوں کو توڑنے کی ترغیب دیتا ہے، مجرمانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، تشدد کو ہوا دیتا ہے، اخلاقیات کے خلاف ہے اور غیر مسلموں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ اسلام کے علاوہ جملہ مذاہب کی اہانت کرتا ہے اور ہندوستان میں بسنے والے مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان نفرت، افتراق اور عداوت کے جذبات کو پروان چڑھاتا ہے۔

ایڈوکیٹ جنرل مغربی بنگال نے مدعی کے اٹھائے ہوئے قانونی نکات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ قرآن کے خلاف اس طرح کا کوئی حکم صادر کرنا دراصل مذہب اسلام کو ختم کرنے کے مترادف ہوگا اور اس طرح یہ تعزیرات ہند کی دفعہ 295 کی صریح خلاف ورزی ہوگی ظاہر ہے اس صورت حال میں عدالت سے دفعہ 295 کے نفاذ کی درخواست بے معنی ہے۔

فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کے ایک سابقہ فیصلہ کو بھی بطور نظیر پیش کیا۔ سپریم کورٹ نے VEERABADRAM CHETTIAR V. RAMASWAMI NICKER[۵]

میں فیصلہ دیتے ہوئے قرآن مجید، بائبل اور گرو گرنتھ صاحب کو تعزیرات ہند کی دفعہ 295A کے دائرۂ کار میں شامل کیا تھا۔ انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا کہ قرآن عرصہ دراز سے عالم وجود میں ہے لیکن اس کے خلاف اس قسم کا اعتراض کبھی نہیں اٹھایا گیا انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ عدالت اس معاملہ پر غور کرنے کی مجاز ہی نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ بنیادی طور پر مذہب کے وجود و بقا سے تعلق رکھتا ہے۔ مزید براں یہ قضیہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تہس نہس کرنے کے مقصد سے کھڑا کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اور نظیریں بھی پیش کیں۔[۲۶]

اٹارنی جنرل جناب کے۔ پاراسرن نے حکومت ہند کی طرف سے عدالت کے سامنے معروضات پیش کیں۔ ان کی معاونت ایڈیشنل سالیسٹر جناب ایم۔ کے۔ بنرجی نے کی۔ اٹارنی جنرل نے ایڈوکیٹ جنرل کے اٹھائے ہوئے نکات سے اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ مزید نکات بھی عدالت کے سامنے پیش کئے۔ اپنے موقف کی حمایت میں انہوں نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، لائف اینڈ لیٹرس آف راجہ رام موہن رائے اور بعض دوسری کتابوں سے بھی اقتباسات پیش کئے۔ مزید برآں انہوں نے اپنے دعوی کے ثبوت میں بعض نظیریں بھی پیش کیں۔ انہوں نے فی الجملہ عدالت کے سامنے یہ موقف اختیار کیا:۔

قرآن مذہب اسلام کا بنیادی صحیفہ ہے اور یہی اس مذہب کی بنیاد اور اساس ہے اس لئے یہ عدالتی چارہ جوئی کا موضوع نہیں بن سکتا۔ مدعی کا دعویٰ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دیگر تمام مذاہب کی اہانت کے مترادف ہے۔ کچھ اقتباسات کو سیاق و سباق سے ہٹا کر قانونی چارہ جوئی کا جواز نہیں پیدا کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ اٹارنی جنرل دستور ہند کی تمہید اور اس کی دفعہ ۲۵ کی طرف بھی عدالت کی توجہ مبذول کرائی۔

تمہید:

"ہم بھارت کے عوام متانت و سنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو ایک مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لئے

حاصل کریں۔

انصاف۔ سماجی، معاشی اور سیاسی

آزادیٔ خیال۔ اظہار، عقیدہ، دین اور عبادت"۔[۵]

دفعہ 25A "تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے[۶]"

فاضل جج نے محسوس کیا کہ مدعی کے دلائل پر غور کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ پہلے خود قرآن مجید کی اہمیت اور اس کے مرتبہ و مقام کا تعین کر لیا جائے۔ چنانچہ اپنی رائے دینے سے پہلے وہ قرآن مجید کے بارے میں ایک مبسوط اور مدلل بحث کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جن نکات پر غور کیا وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

قرآن مذہب اسلام کی بنیادی کتاب ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی یہ مان کر چلتی ہے کہ صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو لوگ اس کی پیروی نہیں کرتے وہ خدا کے سچے پرستار نہیں ہیں۔

مسلمانوں کے عقیدے اور خود قرآن کے بیانات کے مطابق قرآن خدا کا کلام ہے۔ اس کے واسطے سے خدا خود انسانیت سے مخاطب ہے۔ یہ تخاطب آج سے سیکڑوں برس پہلے کے عرب میں صرف حضرت محمدؐ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ ہمیشہ سے تمام انسانوں کے لئے ہے اور زمان و مکان کے حدود سے ماورا ہے۔ اسے پڑھتے وقت مسلمان گویا براہ راست خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے لئے ایک نظام متعین کر دیا جس کی پوری کائنات پابند ہے۔ انسانوں کے لئے بھی اس نے ایک نظام حیات مقرر کیا ہے البتہ اس کو یا اختیار اور آزادی دیدی کہ وہ چاہے تو احکام خداوندی کی پابندی اختیار کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ قرآن اسی نظام حیات کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ قرآنی آیات کی ترجمانی، تعبیر و تشریح میں بہت کچھ اختلافات رائے بھی پایا جاتا ہے۔ جہاں تک نویں سورہ (توبہ) کی آیات ۱-۵ کا تعلق ہے تو بعض محققین کی

رائے یہ ہے کہ یہ سارے غیر مسلمین کے قتل کا حکم نہیں دیتیں بلکہ دراصل یہ ان لوگوں سے متعلق ہیں جو نزول قرآن کے وقت مسلمانوں سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑ کر ان کے خلاف جنگ میں مصروف تھے۔

مسلمانوں کا یہ بھی ایمان ہے کہ قرآن خدا کی طرف سے جبرئیلؑ کے ذریعہ ان کے پیغمبرؐ پر نازل کیا گیا اور اس کا کوئی دنیاوی ماخذ نہیں ہے۔

اس کتاب پر غور کرتے وقت ان بنیادی نکات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات سخت نامناسب ہوگی کہ کچھ اقتباسات کو ان کے سیاق و سباق سے الگ کرکے دیکھا جائے اور اس طرح اس کے بنیادی مقصد کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس نوعیت کی کتاب پر اس طرح تبصرہ کرنا سخت خطرناک ہوگا۔

اس تمہیدی بحث کے بعد فاضل جج زیر بحث مقدمہ کے بارے میں فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

میری رائے میں ایسا حکم صادر کرنا جس کی درخواست مدعی کی طرف سے کی گئی ہے نہ صرف یہ کہ دستور ہند کی تمہید کے منافی ہوگا بلکہ اس کی دفعہ 25 کی بھی خلاف ورزی ہوگی۔ دستور ہند کی تمہید ہندوستان کو ایک سیکولر ملک کی حیثیت سے پیش کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مذاہب سے برابری کی سطح پر معاملہ کیا جائے گا اور کسی مذہب کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں جائے گا اور نہ ہی کسی مذہب کی تحقیر کی جائے گی۔ رائے و اظہار کی آزادی نیز عقیدہ و عبادت کی آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔ مسلمانوں کے دل میں قرآن کا ویسا ہی مقام ہے جیسا کہ عیسائیوں کے یہاں بائبل اور ہندوؤں کے یہاں گیتا، رامائن اور مہابھارت کا۔ میرے خیال میں ایسا کوئی حکم صادر کرنا ہندوستان کے سیکولر کردار کے خاتمے اور آبادی کے ایک حصہ کو آزادی رائے و اظہار نیز آزادی عقیدہ و عبادت سے محروم کر دینے کے مترادف ہوگا۔ نیز یہ دفعہ 25 کی بھی خلاف ورزی ہوگی جس کی رو سے تمام شہری یکساں طور پر آزادی ضمیر اور بلا روک ٹوک کوئی عقیدہ رکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا حق رکھتے ہیں۔ قرآن پر پابندی یا اس کی ضبطی اس حق کی تنسیخ کے مترادف ہوگی۔ اس طرح کی کاروائی دراصل خود مذہب اسلام کو ختم کر دینے کی ہم معنی

ہو گی اس لئے کہ قرآن کے بغیر اسلام کا وجود ہی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مطلوبہ کاروائی اس مذہب کے ماننے والوں کی آزادیٔ ضمیر اور مذہب کو ماننے نیز اس پر عمل کرنے اور اس کی توسیع و اشاعت کا جو حق ان کو حاصل ہے اس کو کالعدم کر دے گی۔ اس لئے ایسی کسی کاروائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت کا یہ منصب نہیں کہ وہ قرآن، بائبل، گیتا اور گرنتھ صاحب جیسی مقدس کتابوں پر محاکمہ کرنے بیٹھ جائے۔

آزادیٔ خیال، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ عقیدہ و مذہب کا تعلق بنیادی انسانی حقوق سے ہے۔ اس آزادی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو خلا اور ملا دونوں میں اپنے مذہب کو برتنے اور اس کے اظہار کی آزادی ہو۔ میری رائے میں مطلوبہ کاروائی کا مطلب کھلے طور پر عوام کے ایک طبقہ کو اس بنیادی انسانی حق سے محروم کر دینا ہے۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ یہ مقدس کتاب ایک زمانے سے دنیا میں موجود ہے اور اس کی ترجمانی و تفسیر میں بہت کچھ اختلاف بھی رہا ہے لیکن اس سے پہلے کسی نے بھی اسے یہ چیلنج نہیں کیا۔

ان اسباب کی وجہ سے میری رائے میں معاملہ زیر بحث کا تعزیرات ہند کی دفعہ 153A سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ دوسری باتوں سے قطع نظر، اس کتاب کو اس بناپر کہ یہ مختلف مذاہب اور گروہوں میں منافرت اور عداوت کے جذبات کو بھڑکاتی ہے ضبط کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ کتاب مختلف مذاہب کے درمیان یگانگت کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ قرآن کی وجہ سے اب تک امن عامہ میں کبھی خلل نہیں پڑا اور نہ ہی مستقبل میں اس قسم کی اندیشہ مندی کی کوئی بنیاد ہے۔ اس کے برخلاف مدعیان کی اس کاروائی کے بارے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کے درمیان بدگمانی، منافرت اور عداوت کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح وہ دفعہ 153A کے دائرہ کار میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح میری رائے میں مدعیان یہ مقدمہ کرکے مسلمانوں کے مذہب اور ان کے مذہبی جذبات کی اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں یا انھوں نے کم از کم اہانت کی کوشش کی ہے اور اس طرح وہ تعزیرات ہند کی دفعہ 295 کے دائرہ کار میں آجاتے ہیں۔ یہ اسلام

کی اعلیٰ ترین مذہبی کتاب کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ چنانچہ مدعی علیہ کی اس بات کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس درخواست کے پیچھے کچھ خاص مقاصد کار فرما ہیں۔

فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے بجا طور پر پبلک انٹرسٹ مقدمات کے باب میں احتیاط برتنے کا مشورہ دیا ہے۔ رٹ پٹیشن کی کارروائی ایک نہایت اہم کارروائی ہوتی ہے۔ ہائی کورٹ کو کچھ ایسے اختیارات حاصل ہیں جو عام عدالتوں کو حاصل نہیں ہیں۔ اس بنا پر میں محسوس کرتا ہوں کہ ہائی کورٹ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس قسم کے مقدمات بالخصوص پبلک انٹرسٹ مقدمات کے سلسلہ میں بہت محتاط رہے خاص طور سے ان معاملات میں جن کا تعلق اہم عوامی دلچسپی کے امور سے ہو۔ موجودہ مقدمہ ایک اقلیت کے جذبات اور مذہبی احساسات سے تعلق رکھتا ہے اسکا تعلق اندرون وبیرون ملک کے کروروں لوگوں کے مذہبی جذبات سے ہے۔ اس کا تعلق ایک نہایت حساس اور نازک معاملہ سے ہے۔ اس بات پر غور کیے بغیر کہ اس سلسلہ میں کوئی مقدمہ بنتا بھی ہے یا نہیں نیز یہ معاملہ عدالت کے دائرۂ اختیار میں آتا بھی ہے یا نہیں، اس عرضی دعوی کو درخور اعتنا سمجھا گیا اور اسے سماعت کے لئے منظور کرلیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ حلف ناموں کو داخل کرنے کی ہدایات بھی جاری کردی گئیں جس کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ بادی النظر میں یہ معاملہ عدالتی چارہ جوئی کے قابل ہے اگرچہ عدالت نے اس وقت تک اس پر اس پہلو سے غور نہیں کیا تھا۔ ایسے معاملات میں عدالت کو بڑی ہوشمندی اور احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ورنہ یہ تو ممکن ہے کہ عدالت کو کچھ سستی شہرت مل جائے لیکن اس کے نتائج بڑے بھیانک ہوں گے اور مذہبی ہم آہنگی پارہ پارہ ہو جائیگی۔ کیا ہی اچھا ہوا ہوتا کہ ہائی کورٹ کو اس مخمصے میں نہ ڈالا گیا ہوتا۔ اس عرضی دعوی کو اسی وقت مسترد کردینا تھا جب یہ داخل کیا گیا تھا اس لئے کہ یہ اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس پر غور کیا جاسکتا۔

مندرجہ بالا اسباب کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے دائرہ اختیارات کو غلط طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اس عرضی دعوی میں جس طرح کی کاروائی کی درخواست کی گئی ہے وہ اس عدالت کے دائرہ اختیار سے قطعاً باہر ہے۔

ان اسباب و وجوہ کی بنا پر یہ مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔

حواشی

۱ـ Chandmal chopra v. state, A.I.R. 1986, Calcutta, P. 104

۲ـ اس دفعہ کی رو سے کسی ایسے شخص کو جو اپنی تحریر یا تقریر یا کسی اور ذریعہ سے ہندوستان کے شہریوں کے مختلف گروہوں کے درمیان منافرت پھیلاتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہے تو اسے دو سال تک قید کی سزا دی جا سکتی یا اس پر جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے یا قید اور جرمانہ دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں

۳ـ اس دفعہ کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی تحریر یا تقریر یا کسی اور ذریعہ سے جان بوجھ کر ہندوستان کے شہریوں کے کسی طبقہ کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتا ہے یا کسی مذہب یا مذہبی معتقدات کی اہانت کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے دو سال تک قید کی سزا دی جا سکتی یا جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے یا قید اور جرمانہ دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

۴ـ یہ دفعہ حکومت کو ایسی کتابوں، دستاویزات اور رسائل کو ضبط کرنے کا اختیار دیتی ہے جس کی اشاعت دفعات 124 A، 153A، 153B، 292، 293، 295A وغیرہ کے تحت قابلِ سزا ہو۔

۵ـ AIR 1958 SC 1032, P. 1035

۶ـ مثلاً دیکھئے Public Prosecutor v. P. Ramaswami, AIR 1964 Mad. 258.

۷ـ ملاحظہ کیجئے بھارت کا آئین، تمہید، ترقی اردو بورڈ، دہلی ۱۹۸۲ء

۸ـ ایضاً ص ۲۶